قرآن مجید اور وحی

عقلیت اور استدلال

پروفیسر ڈاکٹر سید حسین نصر☆
(امریکہ)

آج اسلامی دنیا کے بعض حلقوں میں ایک نہایت افسوس ناک رجحان یہ پایا جاتا ہے کہ کوئی ایسا نظریہ حیات (آئیڈیالوجی) اپنایا جائے جو مغربی ملکوں میں بطور فیشن کے رائج ہو اور اس کے ساتھ لفظ "اسلامی" لگا دیا جائے۔ چنانچہ اس کی وجہ سے "اسلامی ڈیموکریسی" یا "اسلامی سوشلزم" یا "اسلامی عقلیت" اور اس جیسی دوسری اصطلاحات ہماری نظروں کے سامنے آرہی ہیں۔ یہ رجحان کہ اسلام کو دیکھنے میں "ماڈرن" اور "اپ ٹوڈیٹ" بنا کر اسے قابل قبول بنانے کی کوشش کی جائے، اسلام کو اصولوں کے ایک کامل مجموعہ اور ایک مکمل عالمی تصور کے اعلیٰ درجے سے گرا کر ایک ایسے وصف سے منسوب کرنا ہے، جس کا مغربی تہذیب کے تانے بانے میں، جس نے کہ ان اصطلاحات کو جنم دیا ہے، بالکل دوسرا مفہوم ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دانش مند غیر مسلموں اور اسی طرح خود نوجوان مغربی تعلیم یافتہ مسلمانوں میں اسلام کو صرف اسی صورت میں احترام حاصل ہو سکتا ہے، بلکہ اس سے وابستگی پیدا ہو سکتی ہے کہ اگر اسے اس طرح پیش نہ کیا جائے کہ آج مغرب میں فیشن کے طور پر جو نظریہ ہائے حیات رائج ہیں، ان میں سے ایک اسلام بھی ہے، بلکہ اس طرح کہ اسلام خود زندگی اور اس دنیا میں انسان کی پوری جدو جہد کے بارے میں ان مغربی نظریہ ہائے حیات کے مقابلے میں ایک واضح متبادل نظام کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر اسلام کے دفاع کی بنیاد کمزور مدافعانہ معذرت پر ہو گی، جس کے پیش نظر صرف یہ ہو کہ جو چیز بھی آج بطور فیشن رائج ہے، اسے اسلامی بنا کر دکھایا جائے، تو یہ کسی سمجھ بوجھ والے کو قائل نہیں کر سکے گی اور ایک دانش مند مبصر کو یہ اسلام ایک دوسرے درجے کا مغربی

نظریہ حیات نظر آئے گا۔ اب اگر اسلام کو، فرض کیا بطور سوشلزم یا ایک نظام عقلیت کے، پیش کیا جاتا ہے، تو ایک سمجھ دار جدید آدمی، جو عقیدہ و مذہب کے دائرے سے باہر ہے، قدرتاً سوشلزم اور عقلیت کی زیادہ واضح صورتوں کو مغربی فلسفوں اور نظریہ ہائے حیات میں تلاش کرے گا نہ کہ ان کی اسلامی صورتوں میں۔

بعض ایسے تجدد پسند مسلمان ہیں جو ایک سیدھے سادے عقلیت پسند اسلام کے نام پر، جسے وہ سمجھتے ہیں کہ آج کی دنیا کا ساتھ دے سکے گا، چودہ سو سال کی اسلامی تہذیب و ثقافت اور دانش و حکمت کے مکاتب کو جو اس طویل مدت میں بارآور ہوئے، گلدستہ طاق نسیاں بنانے کو تیار ہیں. وہ اس حقیقت سے آگاہ نہیں کہ مذہب کے ضمن میں جدید دنیا کو جو بڑے اہم مسائل در پیش ہیں، وہ چیلنج خواہ مارکسزم ہو. یا ڈارونیزم یا غیر مذہبی (سیکولر) وجودیت. ان کا حل اسلام کی سیدھی سادی عقلی تعبیر نہیں، جیسا کہ سلفیہ مدرسۂ فکر وغیرہ کا مسلک تھا، بلکہ اس کے لئے اس حکمت و دانش کے عمیق مابعد الطبیعیاتی اور فلسفیانہ خزانے کی طرف رجوع کرنا ہوگا، جسے اسلام نے وجود بخشا. یہ حکمت و دانش جہاں ایک طرف منطقی اور عقلی ہے، وہاں اس کے ساتھ یہ محض استدلالی ہو کر نہیں رہ گئی۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مغربی زبانوں میں عقلیت کا معین طور پر کیا مفہوم ہے؟. ایک آدمی کو عقلی دلیل آرائی و منطق اور عقلیت میں جو علم صحیح کی بنا صرف عقل پر رکھتی ہے ، اور اسے حقیقت کو جاننے کا واحد معیار مانتی ہے ، فرق کرنا چاہیے۔ بعض دفعہ ارسطوئی عقلیت کا نام لیا جاتا ہے۔ حالانکہ ارسطو کے فلسفہ میں مابعد الطبیعیاتی وجدانیات بھی ہیں، جنہیں محض انسانی استدلال کا حاصل نہیں کہا جاسکتا. یہ نظریہ کہ علم صحیح کی بنا عقل پر ہے، اس حقیقی عقلیت کی ابتداء جدید مغربی فلسفہ سے ہوتی ہے. بے شک اسکے کچھ آثار عہد قدیم میں بھی ملتے ہیں. عقلیت بحیثیت اس کوشش کے کہ ایک ایسا تنگ اور محدود نظام وجود میں لایا جائے جو تمام حقیقت کا احاطہ کرے اور یہ صرف انسانی عقلی استدلال پر مبنی ہو، اس عقلیت کی ابتدا ڈیکارٹ سے ہوتی ہے، جس کے ہاں خود حقیقت کا آخری و قطعی معیار صرف انسانی انا ہے نہ کہ الہٰیاتی عقل یا خالص وجود۔ "میں سوچتا ہوں. اس لئے میں ہوں". انسانی علم کو انفرادی عقلی استدلال اور انفرادی انا کے شعور کا پابند بنا کر اس کی حد بندی کر دیتا ہے اور یہی وہ رجحان ہے جو اٹھارہویں اور انیسویں صدی کی تحریک عقلیت میں اپنے عروج کو پہنچا اور پھر اس نظام عقلیت کے خود اپنے بوجھ نے اس کی دیوار میں دراڑیں پیدا کر دیں اور نیچے سے غیر عقلی عناصر پھوٹ پڑے اور اس میں آکر مل گئے۔

اسلام میں عقل و استدلال کا جو کردار ہے، اسے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس نظام عقلیت میں جو

اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں یورپ میں اپنے عروج کو پہنچا اور اس منطق اور عقل و فہم میں جس کا احترام اسلام کی خصوصیت ہے، فرق کیا جائے۔ اسلام منطق کا احترام کرتا ہے کیونکہ یہ منطق بذات خود حقیقت کا ایک پہلو ہے اور حقیقت یعنی "الحق" اللہ کا ایک نام ہے۔ اسی طرح عقل اور فہم ایک خدائی عطیہ ہے، جو انسان کی عقیدہ توحید اور وحی کا جو اسلامی تصور ہے، اُس کی اہم خصوصیات کے اثبات کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام کے عالمی تصور میں منطق کا کردار ایک زینہ کا ہے، جو انسان کو خدا کی طرف لے جاتا ہے۔ نظامِ عقلیت کا مغرب میں۔ (مغرب جس میں روایتی مسیحی شخص کا خدا سے تعلق اسلام کی طرح عقل و فہم کے ذریعہ نہیں، بلکہ زیادہ تر اپنے ارادے سے تھا۔) اس نظریے کا جس طرح ارتقاء ہوا وہ ایک حجاب بن گیا، جس نے بندے کو خدا سے جدا کر دیا اور اس کا نتیجہ بندے کی آسمانوں کے خلاف بغاوت کی شکل میں نکلا۔ اسلام میں منطق اور عقل و فہم کو جس طرح منطبق کیا گیا، اس کا حاصل و نتیجہ مسجد ہے، جس کا حسن تناسب اور باقاعدگی اللہ تعالیٰ کی حضوری کا دھیان دلاتی ہے۔ اور جدید مغربی سائنس کو، جو سترہویں صدی کی عقلیت میں راسخ ہوئی، جس طرح منطبق کیا گیا۔ اس کا حاصل و نتیجہ آج کا کارخانہ اور کئی کئی منزلوں کی فلک شگاف عمارتیں ہیں، جو اگرچہ ہندسی قاعدوں کے مطابق اور بعض دفعہ موزوں و متناسب بھی ہوتی ہیں، لیکن ان میں ماورائیت کے مفہوم و معنی کی کمی نمایاں نظر آتی ہے اور فی الحقیقت یہ اس قبیل کے آدمی کی جدوجہد کی نمائندگی کرتی ہیں، جس نے کہ خدا سے بغاوت کی ہو، عقل و منطق کو دونوں جگہوں میں جس طرح منطبق کیا گیا، ان دونوں کے اختلاف سے ایک آدمی اس عمیق فرق کو دیکھ سکتا ہے، جو مغرب کے نظام عقلیت اور اسلام میں عقل و فہم اور منطق سے جس طرح کام لیا گیا، اس میں ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلام جدید دنیا کی جس میں عقل اور وحی یا سائنس اور مذہب کا تضاد نہایت خطرناک حدود تک پہنچ چکا ہے، سب سے بڑی خدمت یہ انجام دے سکتا ہے کہ وہ دنیا کو بتائے کہ وحی اور عقل میں ہم آہنگی اور اتحاد ممکن ہے، جیسا کہ قرآن میں ہے. اسلام میں وحی کا مصدر و منبع جبرئیل ہے یا آپ اسے حدیث نبوی کی زبان میں "عقل کل" کہہ لیجیے. اور لفظ "عقل" سے مراد لغوی اشتقاق کے لحاظ سے دو چیزیں ہیں. ایک جو وجود مطلق کو خلق و تخلیق کی جہت میں پابند یا محدود کرتی ہے. اور دوسری جو انسان کو حقیقت اور خود اللہ سے وابستہ کرتی ہے. جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، یہ عقل ہی ہے جو انسان کو سیدھے راستے (صراط مستقیم) پر رکھتی ہے اور اسے ادھر ادھر بھٹکنے سے روکتی ہے، اسی بنا پر قرآن مجید کی بہت سی آیات میں ان لوگوں کو جو گمراہ ہو گئے، بغیر عقل اور سمجھ کے بتایا گیا ہے (وھم لایعقلون او ھم لایفقھون)۔ اسی طرح "علم"، جسے اسلام کے بہت سے جدید معذرت خواہ بغیر کسی قید اور

ترمیم کے موجودہ سائنس کے مرادف قرار دیتے ہیں، قرآن وحدیث کی زبان میں وہ ہے جو انسان کو ذات خداوندی، ابدی حقیقتوں، دوسری دنیا جو اس زندگی کے بعد ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے کی آگاہی بخشتا ہے۔ بعض احادیث میں تو "علم" سے مراد آخرت کا علم بتایا گیا ہے۔

یہ ذہن (Intellect) جو ایک ہی وقت میں وحی کا مصدر و منبع بھی ہے اور خود انسان کے اندر بھی چھوٹے پیمانے پر موجود ہے، اسے صرف عقل و استدلال تک ہی محدود نہیں کر لینا چاہیے۔ یہ غلطی ہو گی۔ لفظ عقل کے کئی مفہوم ہیں۔ یہ علوی والٰہی سورج بھی ہے جو انسان کے اندر روشنی پھیلاتا ہے اور اس کا عکس جب دماغ کی سطح پر پڑتا ہے تو اسے ہم تعقل واستدلال کہتے ہیں. اس عکس سے ہم اس کے اصل مصدر و منبع تک جاسکتے ہیں بشرطیکہ اس عقل کو خواہشات نے دھندلا نہ دیا ہو، اور بشرطیکہ یہ عقل سلیم ہو۔ لیکن اگر اس عقل کو خواہشات اور نفسانیت نے دھندلا دیا ہو تو پھر یہ عقل ایک حجاب بن جاتی ہے جو انسان کو الٰہیت وملکوتیت سے اوجھل کر دیتی ہے۔ اور وہ راہ راست سے بھٹک جاتا ہے. اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر وحی کی سرے سے ضرورت ہی نہ ہوتی. وحی عالمی ذہن یعنی "کلمۃ اللہ" کا ایک کائناتی مظہر ہے جو انسان کو چھوٹے پیمانے پر ذہن کا ایک مظہر مہیا کرتا ہے، نیز اسے الٰہی قانون بخشتا ہے، جو انسان کو خود اسکی خواہشات سے بچاتا ہے اور عقل کے لئے یہ ممکن بناتا ہے کہ وہ صحیح وسالم یعنی "سلیم" رہ سکے۔

اس صورت میں عقل واستدلال، جو کہ انسانی نفس پر ذہن کا عکس ہے، الٰہی صداقتوں تک، جو وحی موجودہ ہوتی ہیں اور جو کہ مافوق العقل ہیں نہ کہ عقل کے خلاف، پہنچنے کا واسطہ بھی ہو سکتا ہے اور ایک حجاب بھی. جو ان الٰہی صداقتوں کو انسان سے اوجھل رکھتا ہے اور اس طرح یہ ذریعہ بنتا ہے اللہ اور اس کے نازل کردہ دین سے بغاوت کا۔ مسلمان عارفوں نے تمام زمانوں میں عقل واستدلال کی تلوار کی اس دودھاری خصوصیت کا ہمیشہ اعتراف کیا ہے. بعض شخصیات جیسے امام غزالی، مولانا جلال الدین رومی اور امام فخر الدین رازی نے خالص انسانی عقل کے منفی پہلو کو ایک حجاب اور مانع بتایا ہے اور اس کا اثبات کیا ہے کہ وہ الٰہی حقیقتوں تک پہنچنے سے قاصر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا رومی کو عقل کے دو پہلوؤں میں، جن میں سے ایک کو وہ "عقل جزئی" اور دوسرے کو "عقل" کا نام دیتے ہیں، جو فرق وامتیاز پایا جاتا ہے، اس کا بہت زیادہ احساس تھا، وہ فرماتے ہیں :-

عقل جزئی عقل را بدنام کرد

بعض دوسرے جیسا کہ ابن سینا، ابن عربی اور صدر الدین شیرازی ہیں. انہوں نے استدلال کے ذریعہ "عقل" تک پہنچنے کی کوشش کی اور منطق اور انسان کی عقلی صلاحیتوں کی مدد سے اسے ان سطحوں سے بلندتر اور ان

سے ماوراء لے جانا چاہا۔ عقل کے ان دو پہلوؤں کے تعین میں غلطی کرنا بہت بڑی حماقت ہو گی اور اسلامی حکمت و دانش کے عظیم خزانے سے فائدہ اٹھائے بغیر جس میں اس مسئلے کو بڑا واضح کیا گیا ہے، اسلام کو اس امید پر عقلیت کا مرادف قرار دینا کہ کسی نہ کسی طرح اسلام میں عقلیت کی تحریک کے نتائج اس ضمن میں مسیحی یورپ میں جو کچھ ہوا ،اس سے مختلف ہوں گے، غلطی ہو گی۔

اگر اسلام کو عقیدہ اور عقل کے تضاد سے بچنا ہے اور بعض نوجوانوں کے اس رجحان کو، جو مغربی سائنس اور فلسفہ سے ان کے پہلے پہل ارتباط سے ان کے اندر اسلام سے دوری کا پیدا ہو گیا ہے، روکنا ہے تو اسے لازماً اس علم دین کو باقی رکھنا ہو گا، جو اسلام میں بڑا اہم رہا ہے۔ قرآن اور سائنس میں اس طرح ہم آہنگی پیدا نہیں کی جا سکتی کہ قرآن کی ایک آیت سے کسی خاص سائنسی انکشاف کا، جو جلدی فرسودہ ہو جائے گا، ثبوت بہم کر دیا جائے۔ قرآن سائنس کے مفصل قواعد پیش نہیں کرتا بلکہ وہ پورے علم کے اصول پیش کرتا ہے۔ کرنے کا کام یہ ہے کہ مجموعی عالمی تصور اور مابعد الطبیعیاتی فکر کو جس کی جڑیں قرآن میں ہیں اور جو عقل کی روشنی سے ظہور پذیر ہوتا ہے، باقی رکھا جائے اور اس کا احیا ہو. اور یہ عقل کی روشنی قرآن سے پوری طرح مربوط ہے اپنے مواد اور مصدر و منبع ہر دو اعتبار سے، پھر اس حکمت و دانش کی روشنی میں فطرت اور انسان دونوں کا فلسفہ وجود میں لایا جا سکتا ہے جو عقلی استدلال کی ضرورتوں کا بغیر لاادری عقلیت کے جال میں پھنسے، پورا حق ادا کر سکے گا۔

آج پوری دنیا، مسلم اور غیر مسلم دونوں، اس طرح کی حکمت و دانش اور اس پر مبنی فطرت اور انسان کے فلسفہ کی محتاج ہے، اور اس حکمت و دانش کو اظہار کے جدید طریقوں کی اصطلاحات میں صرف اس طرح نئے سرے سے زندہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام کے نہایت ہی سیر حاصل عقلی ورثے کی طرف رجوع کیا جائے. نہ کہ اس عقلی ورثے کو تباہ کر کے سپاٹ قسم کی عقلیت کو جو ماورائی وسعتوں سے تہی دامن ہے، اپنایا جائے۔ ایک ایسا حل جو علم کے تقدس والہیت پر مبنی ہو اور عقیدہ اور استدلال کی ہم آہنگی جس کی اساس عقل ہو جو کہ دونوں کی اصل منبع ہے ، اسلام اس حل کو پیش کر کے دنیا کے لئے ایک نہایت ہی اہم پیغام کا حامل بن سکتا ہے۔ بجائے اس کے کہ مغربی مفکروں کی میز سے روٹی کے گرے پڑے ٹکڑے چن کر ان کے ساتھ اسلام کا لیبل لگا دیا جائے، اسلام عقل اور وحی یا سائنس اور مذہب کے باہمی تعلق کے بارے میں اپنا ایک نیا تصور فراہم کر سکتا ہے، اور یہ تصور اسلام کے مستقبل کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے، اور یہی وہ تصور ہے جس کے، تمام روئے زمین کے بہت سے سمجھ دار لوگ بے تابی سے منتظر ہیں۔

خدا کرے اسلامی دنیا کے حقیقی فکری رہنما اس مقصد کو کامیابی سے پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں۔

☆ سید حسین نصر صاحب تہران یونیورسٹی میں آرٹ فیکلٹی کے ڈین اور فلسفہ کے پروفیسر رہے ہیں۔آپ نے اسلام پر کافی کتابیں لکھی ہیں .آپ کی انگریزی تصنیفات بین الاقوامی علمی حلقوں میں بڑی مقبول ہیں . موصوف کا اسلامی فلسفہ کا غائر مطالعہ ہے اور عربی زبان میں آپ بڑی دستگاہ رکھتے ہیں . اس کے علاوہ کئی یورپی زبانوں پر بھی آپ کو عبور حاصل ہے . سید حسین نصر صاحب کا شمار اسلامی دنیا کے چند چوٹی کے دانشوروں میں ہوتا ہے . وہ علمی لحاظ سے جدید تر ہونے کے باوجود قدامت سے گہرا لگاؤ رکھتے ہیں، چنانچہ وہ اس بات پر بہت زور دیتے ہیں کہ مسلمان اہل فکر تقلید یورپ کے بجائے اپنے علمی وفکری ماضی کا احیا کریں اور اس سے خود بھی رہنمائی حاصل کریں اور دنیا کو بھی نئی راہ دکھائیں۔ سید حسین نصر بیروت کی جامعہ امریکہ میں بھی پروفیسر رہے ہیں، اور آپ نے امریکہ کی بعض یونیورسٹیوں میں بھی پڑھایا ہے۔آج بھی وہ امریکہ ہی میں مقیم ہیں۔ان کی یہ تحریر "فکر ونظر" سے ماخوذ ہے۔

☆ ☆ ☆

ایمان کے مراتب

ایک شخص سے کسی نے کہا۔ کیا تو مومن ہے ؟ مخاطب نے جواب دیا آپکی مراد اگر مومن سے وہ ہے جو " آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا " (آل عمران ۸۴) "ہم خداوند متعال اور جو کچھ ہم پر نازل کیا گیا اس پر ایمان لائے ہیں" کا مصداق ہے تو پھر ہاں میں بھی مومن ہوں، لیکن اگر آپکی مراد مومن سے وہ ہے جو اس آیہ مجیدہ میں مذکور ہے " اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ " (انفال ـ ۲) " سچے ایماندار تو بس وہی لوگ ہیں کہ جب (انکے سامنے) خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو انکے دل دہل جاتے ہیں " تو پھر مجھے اپنے ایمان کا پتہ نہیں۔